حقِ ملازمت اور منصب سے مال
کے عوض دستبرداری کا حکم

تحریر
مُفتی عبیدالرحمان صاحب
رئیس دارالافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دارالتقویٰ، مردان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حق ملازمت اور منصب سے مال کے عوض دستبرداری کا حکم

باعثِ تحریر

اس زمانے میں چونکہ ہر کام کو مادی نقطہ نظر سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے، اس لئے ہر کام میں مادی نفع کا سوچ کارِ فرما ہوتا ہے، کوئی بھی اہم اقدام کرنے سے پہلے مادی پیمانے پر اس کو جانچا جاتا ہے، اس کا ایک نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ محبت وبھائی چارگی کے کام بھی عموماً مادی اور مالی لالچ کے بنیاد پر انجام دئے جاتے ہیں، اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کسی جگہ ملازم ہے لیکن زیادہ مطمئن نہیں ہے، دوسرا شخص اس کی جگہ ملازمت حاصل کرنا چاہتا ہے تو پہلا شخص کچھ مال لے کر وہاں سے استعفاء دیدیتا ہے اور دوسرا شخص وہاں بھرتی ہونے کی کوشش شروع کرتا ہے۔

فقہی نقطہ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے بارے میں یہ ناکارہ عرصہ سے متردد تھا، کچھ دنوں پہلے ہمارے ہاں "دارالافتاء والارشاد" کے زیر انتظام ایک "فقہی مجلس" بھی منعقد ہوئی جس میں اس مسئلہ پر بحث ومناقشہ بھی ہوا، لیکن یہ مجلس کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکی، اس تناظر میں ناکارہ نے چاہا کہ اس حوالے سے اپنے فکر ومطالعے کو مرتب کرکے سامنے رکھا جائے تاکہ کسی صحیح نتیجے تک رسائی آسان ہوسکے۔

مسئلہ کی صورت اور حکم

زید کسی سرکاری یا غیر سرکاری جگہ ملازم ہے، عمر اس کے ساتھ بات کرتا ہے کہ تم یہ ملازمت چھوڑ دو اور اس کے بدلے میں آپ کو کچھ رقم دے دوں گا، زید جب ملازمت چھوڑتا ہے تو عمر متعلقہ ادارے / فرد کو درخواست دیتا ہے کہ زید کی جگہ مجھے ملازم رکھا جائے، زید اور عمر آپس میں اتفاق کر لیتے ہیں اور اس کے مطابق زید کچھ رقم لے کر ملازمت سے مستعفی ہو جاتا ہے۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ زید نے ملازمت چھوڑنے کے عوض جو رقم لی، یہ جائز ہے یا نہیں؟

طویل عرصہ تک مکرر غور وخوض کے بعد یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس کام پر عوض کا لین دین جائز نہیں ہے۔

ناجائز ہونے کی بنیادی وجوہات

فقہائے حنفیہ کے ہاں یہ بات مسلم ہے کہ:

والأصل أن الربح إنما يستحق عندنا إما بالمال وإما بالعمل وإما بالضمان... ثبت أن كل واحد منهما سبب صالح لاستحقاق الربح، فإن لم يوجد شيء من ذلك لا يستحق بدليل أن من قال لغيره: تصرف في ملكك على أن لي بعض ربحه؛ لم يجز، ولا يستحق شيئا من الربح لأنه لا مال ولا عمل ولا ضمان.[1]

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب الشركة، فصل في بيان شرائط جواز أنواع الشركة، ج٦، ص٦٢-

ترجمہ:"ضابطہ یہ ہے کہ: نفع کا استحقاق مال کی وجہ سے ہوتا ہے یا عمل اور یا ضمان کی وجہ سے ، نیز ان میں سے ہر ایک نفع میں استحقاق کا بنیادی سبب ہے۔ اگر ان تین اسباب میں سے کوئی سبب نہ ہو تو پھر کوئی استحقاق نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مثلا: کوئی دوسرے سے کہے کہ: اپنے مال میں تصرف کرو اور مجھے بھی کچھ نفع دیتے رہو تو یہ معاملہ درست ہے، نہ اس کی وجہ سے نفع لینے کا حق بنتا ہے، کیونکہ ایسا کہنا مال ہے، نہ عمل اور ضمان"۔

کچھ صفحات بعد ایک دوسرے مسئلہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

ولو شرطا الكسب أثلاثا، وشرطا العمل نصفين، لم يجز؛ لأن فضل الأجرة لا يقابلها مال، ولا عمل ولا ضمان، والربح لا يستحق إلا بأحد هذه الأشياء.[1]

ترجمہ:"اگر نفع میں ایک فریق کے لیے دو تہائی لینا شرط ہو اور کام بھی دونوں کے ذمے شرط ہو، تو یہ معاملہ درست نہیں، کیونکہ زیادہ اجرت کے مقابلہ میں مال ہے نہ کوئی محنت اور ضمان، جب کہ منافع کا استحقاق ان تینوں میں سے کسی ایک کی بنیاد پر ہوتا ہے"۔

کوئی شخص دوسرے سے نفع کماتا ہے تو اس کی یہی تین بنیادیں ہیں، زیر بحث صورت میں ان میں سے کوئی بنیاد موجود نہیں ہے، چنانچہ زید کی طرف سے نہ تو عمر کو کوئی مال ملتا ہے، نہ کوئی محنت و عمل ملتا ہے اور نہ ہی ضمان و ذمہ داری۔ تو نفع وعوض لینے کا بھی استحقاق نہیں ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب الشركة،فصل في صفة عقد الشركة، ج٦،ص٧٧-

دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہاجاسکتا ہے کہ عمر جو زید کو رقم دیتا ہے ،اس کی فقہی تکییف کیا ہے؟ عمر کو اس کے بدلے کیا ملتا ہے؟ ظاہر ہے کہ زید کی طرف سے عمر کو کچھ نہیں دیا جارہا،اس معاملے کے نتیجے میں دو ہی باتیں پیش آتی ہیں، ایک یہ ہے کہ زید ملازمت سے استعفاء دیتا ہے اور دوسری یہ کہ عمر متعلقہ ادارے میں ملازمت کے لئے درخواست دیتا ہے ، یہ دونوں ایسی چیزیں نہیں ہیں جن کے بدلے عوض لینا درست ہو، اس لئے رقم غیر متقوم چیز ہی کا عوض ہے جو کہ رشوت اور ناجائز ہے۔

یوں بھی اس کو تعبیر کیاجاسکتا ہے کہ یہ معاملہ نہ بیع کے تحت داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اجارہ کے ضمن میں۔ بیع نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ اس میں مبیع کا ہونا اوراس کا موجود، متقوم اور مملوک ہونا ضروری ہے جبکہ یہاں زید کے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ان شرائط پر پورا اتر سکے۔ اجارہ کا نہ ہونا بھی ظاہر ہے کہ اجارہ میں منفعت کا ہونا اوراس کا مقصود، مملوک اور مقدور ہونا ضروری ہے، جبکہ یہاں زید صرف ملازمت سے استعفاء دے رہا ہے جو کہ ان شرائط پر پورا نہیں اترتا، اس لئے زید وعمر کے درمیان انجام پانے والا یہ معاملہ بھی جائز نہیں ہے کہ یہ معاملہ معاوضہ ہے اور معاوضہ کی یہی دو صورتیں ہیں جبکہ زیر بحث معاملہ ان میں سے کسی بھی صورت میں داخل نہیں ہے۔

ممانعت کی پہلو کی ایک وجہ ترجیح

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر قدرے تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے، بحث کے آخر میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

بالجملة فالمسألة ظنية والنظائر المتشابهة للبحث فيها مجال وإن كـان الأظهر فيها ما قلنا فالأولى ما قال في البحر من أنـه ينبغـي الإبـراء العام بعده والله سبحانه وتعالى أعلم.[1]

ترجمہ: "خلاصہ یہ کہ یہ ظنی مسئلہ ہے، اور ایک جیسے نظائر کی وجہ سے اس میں بحث کی گنجائش ہے اگرچہ زیادہ واضح بات یہ ہے جو ہم نے ذکر کی ہے، تاہم مناسب بات وہی ہے جو علامہ ابن نجیمؒ نے ذکر کی کہ: اس طرح معاملہ کرنے کے بعد ایک دوسرے کو عام معافی کی جائے"۔

یہ اس مسئلہ کا ایک پہلو ہے، اس کا ایک دوسرا پہلو بھی قابل لحاظ ہے، وہ یہ ہے کہ جواز کی صورت میں اس کی حیثیت صرف ایک مباح کام کی ہوگی جبکہ ناجائز ہونے کی صورت میں اس کی فقہی حیثیت رشوت کی ہے، کیونکہ ایک غیر متقوم چیز کا عوض لینا ہے جو رشوت ہی کی ایک صورت ہے، جبکہ رشوت کا حرام ہونا محتاج بیان نہیں ہے۔ اب جب اباحت اور حرمت دو پہلوؤں میں تعارض محسوس ہو تو مناسب یہی ہے کہ حرمت والے پہلو ہی کو راجح قرار دیا جائے۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے "اشباہ" میں اس کی اجازت دی ہے، علامہ حموی رحمہ اللہ اس پر تعلیق کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قوله: فينبغي الجواز وأنه إلخ: قيل عليه: كيف ينبغي الجـواز فإنـه ليس له إلا رشوة. والعرف إنما يعتبر إذا لم يكن بخلافـه نـص والا لزم تحليل ما تعارفه العوام وبعض الخواص من المنكرات (انتهـى)

---

[1] رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الجامكيه، ج٤، ص٥٢٠.

.وفيه تأمل.وقيل عليه أيضا: العجب أن المصنف – رحمه الله – قال فيما سيأتي إن الحقوق المجردة لا يجوز الاعتياض عنها وفرع على ذلك عدم صحة الاعتياض عن الوظائف بالأوقاف.ولقد رأيت كثيرا من الموالي مجمعين على جواز النزول عن الوظائف بقول المصنف في هذا المقام؛ وأنت خبير بأن المصنف في أمثال هذه المواضع غير مثبت فلا معتبر بقوله (انتهى) .

وقال بعض الفضلاء: قد قالوا في النزول ينبغي الإبراء بعده، وإنما ذكروا ذلك لمنع الرجوع ثم قال في الحاصل: إن في أصل صحة النزول نظرا ظاهرا، وأصول المذهب يقتضي عدم صحة هذا.[1]

ترجمہ:"علامہ ابن نجیمؒ کا یہ کہنا کہ:(عوض لے کر عہدہ، منصب چھوڑنا) جائز ہے، اس

محض رشوت کی ہے، نیز (اگر عرف کی بنیاد پر اسے جائز کہے تو) عرف تب معتبر ہے جب نص کے خلاف نہ ہو، ورنہ پھر تو عوام اور بعض خواص میں رائج تمام منکرات کو جائز کہنا پڑے گا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ آگے خود مصنفؒ حقوق مجردہ کے بدلے عوض کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس پر اس مسئلہ کے ناجائز ہونے کو متفرع فرماتے ہیں!۔

میں نے اکثر عہدہ داروں کو دیکھا جو مصنفؒ کے اس قول کے مطابق معاوضہ کے بدلے ملازمت چھوڑنے کو درست سمجھتے ہیں، حالانکہ ان جیسے مواقع میں مصنف جیسے

---

[1] غمز عيون البصائر على الأشباه والنظائر، الفن الأول قول في القواعد الكلية، القاعدة السادسة العادة محكمة، المبحث الرابع العرف الذي تحمل عليه الألفاظ، ج١ص ٣١٨

حضرات (کا قول)اس کے اثبات کے لیے کافی نہیں، تواس کا قول بھی معتبر نہیں ۔ بعض اہل علم کی رائے یہ ہے کہ: عہدہ چھوڑنے کے بعد ایک دوسرے کو عام معافی تلافی مناسب ہے ،یہ بات انہوں نے رجوع نہ ہونے کی صورت میں کی ہے، پھر خلاصہ کے طور پر فرمایاہے کہ: ملازمت چھوڑ کر عوض لینااصلا قابل اشکال ہے اور مذہب کے اصول کے مطابق درست نہیں"۔

جواز کی کچھ ممکنہ وجوہات اور ان کا فقہی تجزیہ

پہلی وجہ: موصی لہ بالخدمۃ کے مسئلہ پر قیاس

جن اہل علم کے نزدیک مال کے بدلے وظائف سے دستبرداری درست ہے، ان کا بڑا استدلال یہ ہے کہ "موصیٰ لہ بالخدمۃ" اگر اپنی خدمت لینے کے حق کے عوض کچھ مال لے کر صلح کرلے تو درست ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے "نزول عن الوظائف بالمال" بھی درست ہی ہونا چاہئے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے پہلے اس کے ناجائز ہونے کی عبارات ذکر فرمائی، اس کے بعد علامہ حموی رحمہ اللہ کے حوالہ سے علامہ نور الدین علی مقدسی رحمہ اللہ کی یہی رائے نقل فرمائی ہے کہ "موصیٰ لہ بالخدمۃ"والے مسئلہ پر قیاس کرکے اس کی گنجائش ہونی چاہئے، لکھتے ہیں:

لكن قال: الحموي وقد استخرج شيخ مشايخنا نور الدين علي المقدسي صحة الاعتياض عن ذلك في شرحه على نظم الكنز من فرعه في مبسوط السرخسي وهو أن العبد الموصى برقبته لشخص، وبخدمته لآخر لو قطع طرفه أو شج موضحة فأدى الأرش، فإن

كانت الجناية تنقص الخدمة يشترىٰ به عبد آخر يخدمه أو يضم إليه ثمن العبد بعد بيعه فيشترىٰ به عبد يقوم مقام الأول فإن اختلفا في بيعه لم يبع، وإن اصطلحا علىٰ قسمة الأرش بينهما نصفين فلهما ذلك ولا يكون ما يستوفيه الموصىٰ له بالخدمة من الأرش بدل الخدمة؛ لأنه لا يملك الاعتياض عنها، ولكنه إسقاط لحقه به كما لو صالح موصىٰ له بالرقبة علىٰ مال دفعه للموصىٰ له بالخدمة ليسلم العبد له. اه.قال: فربما يشهد هذا للنزول عن الوظائف بمال. اه.. قال: الحموي: فليحفظ هذا فإنه نفيس جدا. اه..[1]

ترجمہ:"علامہ نورالدین علی مقدسیؒ نے مبسوط سرخسی کے ایک جزئیہ پر قیاس کرتے ہوئے عہدہ چھوڑنے کے بدلے اجرت کو درست قرار دیا ہے وہ جزئیہ یہ ہے کہ: جس غلام کی خدمت کی وصیت ایک کے لیے اوراس کی ذات کی وصیت کسی دوسرے کے لیے کی گئی ہو،تو اگر کوئی اس غلام کا عضو کاٹ دے یااسے گہرا زخمی کرکے تاوان اداکرے،تواگرجنایت کی وجہ سے اس کی خدمت میں کمی آئی ہوتواس قیمت پر دوسرا غلام خریدا جائے جواس شخص کی خدمت کرے گا یا غلام کو فروخت کرکے تاوان کی رقم ملاکر دوسرا غلام خریدا جائے جو پہلے غلام کے قائم مقام ہو گا۔اگر دونوں کے درمیان بیع کے مسئلہ میں اختلاف ہوجائے توپھر فروخت کرنادرست نہ ہو گا۔اگر دونوں باہم تاوان کی رقم تقسیم کرنے پر صلح کرے تو یہ بھی درست ہے اور یہ خدمت کابدلہ نہ ہو گا کیونکہ وہ اس کے بدلے عوض لینے کامجاز نہیں، البتہ اسے حق ساقط کرنے کابدلہ قرار دے سکتے ہیں جیسا کہ خدمت کاحق دار غلام کے

---

[1] رد المحتار،كتاب البيوع،مطلب في بيع الجامكيه،ج٤،ص٥١٩-

مالک کے ساتھ کسی مال پر صلح کر کے غلام اس کے حوالہ کرے (تو یہ معاملہ درست ہے)، بسا اوقات اس سے مال کے بدلے عہدہ چھوڑنے کے جائز ہونے پر استدلال کرتے ہیں"۔

اس قیاس کا فقہی تجزیہ

لیکن غور کیا جائے تو یہ قیاس درست معلوم نہیں ہوتا، جس کی چند وجوہات درج ذیل ہیں:

ا: مقیس اور مقیس علیہ میں بڑا جوہری فرق ہے، مقیس علیہ میں موصی لہ شخص خدمت کا ایک گونا مالک ہے جبکہ مقیس میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، جبکہ مناط حکم یہی ہے، اس لئے یہ قیاس بالکل درست معلوم نہیں ہوتا، علامہ رافعی رحمہ اللہ کی تحقیق بھی یہی ہے، چنانچہ وہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

الظّاهر عدم صحّة الاستدلال بهذا الفرع علىٰ صحّة الاعتياض عن الحقوق المجرّدة فإنّ المرادَ أنّها مجـرّدة عـن الملـك والحـقُّ في الفـرع المذكور مملوك فلم يكنْ مجرّدا عنه كما نحن فيه. قال الزيلعـي... ولا شـكَّ أنّ حـقَّ الموصى لـه بالخدمـة مملـوك متقـرّر في المحـلّ كحـقّ القصاص والنّكاح والرقّ كما نحنُ فيه.[1]

ترجمہ: "اس جزئیہ سے حقوق مجردہ کے بدلے صلح کرنے کے جائز ہونے پر استدلال درست نہیں، کیونکہ یہاں حقوق مجردہ سے، ملکیت سے عاری حق مراد ہے (یعنی ملکیت کے بغیر محض حق)، جب کہ اس مذکورہ مسئلہ میں خدمت اس کی

---

[1] تقريرات الرافعي على ردّ المحتار، كتاب البيوع، ج٤ص٥١٩.

ملکیت ہے تو یہ (سابقہ تفصیل کے مطابق) حق مجرد نہیں ہوا بلکہ یہاں موصی لہ کا اپنے محل میں حقِ خدمت قصاص، نکاح اور غلامی کی طرح مملوک اور ثابت ہے"۔

۲:اس قیاس کے درست نہ ہونے کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ "موصی لہ بالخدمۃ" کا عوض لے کر دستبردار ہونے کا مسئلہ خود خلاف قیاس ہے، قیاس کا تقاضا وہاں بھی یہی ہے کہ یہ صلح جائز نہ ہو، چنانچہ جس طرح عاریت پر لینے والا شخص عاریت پر لی ہوئی چیز کو استعمال کر سکتا ہے لیکن اس "حق" کے بدلے دستبردار ہو کر وہ عوض وصول نہیں کر سکتا، یوں ہی "موصیٰ لہ بالخدمۃ" شخص بھی خود تو غلام سے خدمت لے سکتا ہے لیکن اپنے اس حق کے عوض وہ کچھ مال وصول نہیں کر سکتا، لیکن ایک باریک فرق کی وجہ سے استحسان کے طور پر اس کی اجازت دی گئی۔

امام سرخسی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وإذا أوصىٰ الرجل بخدمة عبده سنة لرجل وهو يخرج من ثلثه فصالحه الوارث من الخدمة علىٰ دراهم أو علىٰ سكنىٰ بيت أو علىٰ خدمة خادم آخر أو علىٰ ركوب دابة أو علىٰ لبس ثوب شهرا فهو جائز استحسانا، وفي القياس لا يجوز؛ لأن الموصىٰ له بالخدمة في حكم الاعتياض كالمستعير ولهذا لا يملك أن يؤاجره كالمستعير وهذا لأنه يملك الخدمة بغير عوض في الموضعين، ثم المستعير لا يعتاض عن الخدمة مع المعير فكذلك الموصىٰ له.

وجه الاستحسان أن الصلح يصح بطريق الإسقاط إذا تعذر تصحيحه بطريق المبادلة كما لو صالح من الألف على خمسمائة وهنا تصحيحه بطريق إسقاط الحق بعوض ممكن؛ لأنه استحق على الورثة تسليم العبد له في المدة ليستوفي خدمته، وهو حق لازم لا يملك الوارث إبطاله فيجوز إسقاطه بعوض بخلاف المستعير فإنه لا يستوجب على المعير حقا لازما، فلا يمكن تصحيح الصلح معه اعتياضا عن إسقاط الخدمة.[١]

ترجمہ: "اگر کوئی کسی کو ایک سال تک کے لیے اپنے غلام کی خدمت کی وصیت کرے جب کہ وہ غلام ثلث ترکہ کے برابر (یا اس سے کم) قیمت کا ہو، تو اگر وارث اس غلام کی خدمت کے بدلے دراہم، گھر کی سکونت، یا دوسرے غلام کی خدمت، یا کسی سواری یا مہینہ تک کوئی کپڑا پہننے کے بدلے صلح کرے تو قیاساً اگرچہ یہ صلح درست نہیں، تاہم استحساناً درست ہے، کیونکہ خدمت کے بدلے عوض لینا عاریت (والی چیز چھوڑ کر) عوض لینے کی طرح ہے، لہذا عاریت کی طرح یہاں بھی موصی لہ اس غلام کو کسی اور کو کرایہ پر دینے کا مجاز نہیں، کیونکہ دونوں جگہ وہ بغیر کسی معاوضہ کے خدمت کا مالک بنا ہے جس طرح عاریت پر لینے والا، دینے والے سے مال کے بدلے صلح کرنے کا مجاز نہیں موصیٰ لہ کا بھی یہی حکم ہے۔

استحسان کی وجہ یہ ہے کہ: یہاں مبادلہ کے طور پر اگرچہ صلح درست نہیں، تاہم اسقاط کے طور پر صلح درست ہے، مثلاً: کوئی شخص ایک ہزار روپے کے بدلے پانچ سو روپے لے کر صلح کرے، تو یہاں بھی معاوضہ لے کر اسقاط حق کے طور پر صلح ممکن

---

[١] المبسوط للسرخسي، كتاب الصلح، باب الصلح في الوصايا، ج٢، ص٢١-

ہے، کیونکہ موصی لہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقررہ مدت تک ورثاء کو خدمت لینے کے لیے اس غلام کے حوالہ کرنے کا پابند بنائے، یہ اس کا حق ہے اور کسی بھی وارث کو اسکے ختم کرنے کا حق نہیں، تو معاوضہ لے کر اسے ساقط کرنے کا بھی حق ہے۔ البتہ عاریت چونکہ حق لازم نہیں ،تو وہاں حق خدمت کو ساقط کر کے اس کے بدلے معاوضہ لینا درست قرار نہیں دے سکتے"۔

اس عبارت میں استحسان کی جو تقریر فرمائی گئی ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہر حق کے بدلے صلح کر کے عوض لینا جائز نہیں ہے، بلکہ اس سے ایسا حق مراد ہے جو عوض لینے والے شخص کا حقِ لازم ہو ،کسی دوسرے شخص کو اس میں تصرف کرنے کا حق نہ ہو، "موصی لہ بالخدمۃ" کو غلام میں ایسا ہی حق حاصل ہوتا ہے، ورثاء اگر چہ غلام کے رقبہ (ذات) کے مالک ہیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ چاہے کہ موصیٰ لہ کو خدمت کے لئے غلام نہ دیں تو اس بات کے وہ مُجاز نہیں ہیں

اس تناظر میں اگر نوکری اور ملازمت کے حق کو دیکھا جائے تو وہ ملازم کا حق لازم بالکل نہیں ہے، اس کی حیثیت تو اجارہ کی ہے جو باہمی رضامندی سے منعقد ہوتا ہے، اگر دوسرا فریق راضی نہ ہو تو محض ملازمت کی خواہش رکھنے والا شخص از خود ملازم نہیں بن سکتا، اس لئے "موصیٰ لہ بالخدمۃ" کے جزئیہ پر اس کو قیاس کرنا کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا۔

دوسری وجہ: حق قصاص وغیرہ پر قیاس

"نزول عن الوظائف بالمال" کو ان تین حقوق پر قیاس کیا جاسکتا ہے:

۱:حقّ قصاص۔اگر وارث اپنے حقّ قصاص کو چھوڑ کر اس کے بدلے قاتل کے ساتھ صلح کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

۲:حقّ نکاح۔اگر بیوی شوہر سے آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے اور شوہر طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہو رہا، تو بیوی کو اس بات کا بھی اختیار ہے کہ شوہر کو مال دے کر اپنے "حق نکاح" چھوڑنے پر راضی کرلے اور شوہر بھی چاہے تو اس "تنازل" کے بدلے کچھ مال وصول کر سکتا ہے۔

۳:حق مالکیت(اسقاط الرقّ)۔ زید بکر کا غلام ہے لیکن اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، بکر مفت میں آزادی دینے پر راضی نہیں ہے تو غلام کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ بکر کو کچھ مال دیکر اسے اپنا یہ حق چھوڑنے پر راضی کرالے، نیز آقا کے لئے بھی یہ عوض وصول کرنا جائز ہے۔

اب جس طرح ان تین حقوق سے مال لے کر دستبردار ہونا جائز ہے، یوں ہی نوکری / ملازمت / عہدہ / منصب کے حق سے بھی دستبرداری کرنا بالکل جائز ہونا چاہئے۔

اس قیاس کا فقہی تجزیہ

یہ قیاس بھی درست نہیں ہے، درست نہ ہونے کی بنیادی وجہ وہی ہے جو "مبسوط سرخسی" کی مذکورہ عبارت میں ذکر کی جاچکی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں حقوق اپنے متعلقہ افراد کے حق میں خاص ہیں، کوئی دوسرا شخص اس میں اختیار مند نہیں ہے، مثال کے طور پر وارث اگر نہ چاہے تو کوئی دوسرا شخص اس کے "حق قصاص" کو ختم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح شوہر یا مالک اگر نہ چاہے تو کوئی

شخص اس کے حق نکاح اور حق مالکیت کو ختم کرنے کا مُجاز نہیں ہے، جبکہ ملازمت، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، کا یہ حال نہیں ہے، وہ باہمی اتفاق کے نتیجے میں وجود میں آنے والا عقد ہے۔

علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(وبالصلح عن الشفعة على عوض وعليه رده) أي تبطل الشفعة إذا صالح المشتري الشفيع على عوض وعلى الشفيع رد العوض؛ لأن حق الشفعة ليس بمتقرر في المحل، وإنما هو مجرد حق التملك فلا يجوز أخذ العوض عنه ولا يتعلق إسقاطه بالجائز من الشرط .. فلأن لا يتعلق سقوطه بالشرط الفاسد وهو شرط الاعتياض عن حق ليس بمال بل هو رشوة محض أولى فيصح الإسقاط ويبطل الشرط وكذا لو باعه شفعته بمال لما بينا ولأن البيع تمليك مال بمال، وحق الشفعة لا يحتمل التمليك فكان عبارة عن الإسقاط فقط مجازا كبيع الزوج زوجته من نفسها بخلاف الاعتياض عن القصاص، وملك النكاح، وإسقاط الرق لأن ملكه في هذه الأشياء متقرر في المحل ولهذا يستوفيه وينفرد به،ألا ترى أن للولي أن يقتله قصاصا بغير قضاء ولا رضا فعلم أن حقه ثابت في المحل في حق القتل ولولا ذلك لما تمكن من القتل بغير قضاء ولا رضا.[1]

---

[1] تبيين الحقائق،كتاب الشفعة،باب ما تبطل به الشفعة،ج٥،ص٢٥٧-

ترجمہ:" اگر شفیع خریدار کے ساتھ شفعہ کے بدلے صلح کرے تو یہ صلح باطل ہے اور شفیع پر لازم ہے کہ وہ عوض واپس کرے، کیونکہ شفعہ کوئی لازم حق نہیں، بلکہ محض مالک بننے کا حق ہے تو اس کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ نیز جس طرح شفعہ ساقط کرنے کو جائز شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں، تو فاسد شرط کے ساتھ معلق کرنا بھی درست نہیں۔ فاسد شرط کی مثال معاوضہ لے کر شفعہ چھوڑنا ہے، اس صورت میں عوض لینا چونکہ خالص رشوت ہے، لہذا شفعہ اور شرط دونوں فاسد کالعدم ہوں گے۔

حق شفعہ کو فروخت کرنا بھی درست نہیں، کیونکہ بیع کہتے ہے:"مبادلۃ المال بالمال "کو جب کہ حق میں تملیک کی صلاحیت ہی نہیں، تو یہاں بیع کا لفظ مجازا اسقاط کے معنی میں ہے مثلا: شوہر کا بیوی کو اس کا نفس فروخت کرے کرے (تو یہ بیع دراصل مجاز اسقاط یعنی حق نکاح ختم کرنا ہے تو یہاں بھی اگر بیع کا لفظ مستعمل ہو تو وہ مجازا اسقاط کے معنی میں ہو گا)۔ البتہ حق قصاص، حق نکاح، اور غلامی ختم کرنے کے بدلے معاوضہ لینا درست ہے، کیونکہ ان چیزوں میں صاحب حق کا حق ثابت ہے، وہ اسے حاصل کرنے یا ساقط کرنے میں خود مختار ہے، چنانچہ ولی حاکم کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بھی ولی قصاص لے سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق قصاص اس کا ذاتی حق ہے ورنہ بغیر اجازت اور رضامندی کے اسے لینے کا حق نہ ہوتا"۔

تیسری وجہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی دستبرداری

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک صلح ہوا تھا جس کے نتیجے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہوئے تھے اور ساتھ ان کے لئے کچھ رقم بھی طے کی گئی تھی، بعض اہلِ

علم نے اس سے زیر بحث مسئلہ میں استدلال فرمایا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

واستدل بعضهم للجواز بنزول سيدنا الحسن بن سيدنا علي رضي الله تعالىٰ عنهما عن الخلافة لمعاوية علىٰ عوض، وهو ظاهر أيضا.[۱]

ترجمہ: "بعض حضرات نے اس مسئلہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کچھ عوض کے بدلے خلافت سے دستبردار ہونے سے استدلال کیا ہے"۔

اس وجہ کا فقہی تجزیہ

حضرت معاویہ اور حسن (رضی اللہ عنہما) کے اس واقعے سے استدلال فقہی نقطہ نظر سے مخدوش ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ متقدمین فقہائے کرام سے یہ استدلال منقول یا مشہور نہیں ہے، بعض شارحین حدیث نے اگر چہ اس سے یہ استدلال بھی فرمایا ہے لیکن ظاہر ہے کہ فقہی مسائل کی تحقیق و تنقیح کی اصل جگہ فقہی کتب ہیں، شروح الحدیث میں جو احکام و مسائل ذکر کئے جاتے ہیں، ان کو فقہی ضوابط کی روشنی میں ہی قبول کر لینا چاہئے۔

اس قصہ سے استدلال کے مخدوش ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ:

۱: کیا "حق خلافت" ایسا حق لازم ہے جس میں خلیفہ ہی واحد و متصرف ہو؟ اس تحریر میں "مبسوط" اور "تبیین" وغیرہ کی جو عبارات ذکر کی گئی ہیں، ان کے مطابق تو ایسے ہی حق سے مال کے عوض دستبرداری جائز ہو سکتی ہے جو

---

[۱] رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في بيع الجامكيه، ج٤، ص٥٢٠.

دستبردار ہونے والے شخص کا حقِ لازم ہو اور وہی اس میں واحد متصرف ہو، جبکہ "حق خلافت "کا یہ حال نہیں ہے، وہ امت کے اہل حل وعقد کے صوابدید پر مبنی ہے۔

۲: کیا مال کے بدلے خلیفہ کو خلافت سے دستبردار کرانا درست ہو سکتا ہے؟

اس کے علاوہ بھی متعدد اشکالات وشبہات ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس کی حیثیت ایک "فعل" کی ہے اور اصولی نقطہ نظر سے افعال میں

اقوال کی بنسبت مختلف احتمالات پائے جاتے ہیں جن کی بنیاد پر محض افعال سے استدلال کرنا مشکل ہو جاتا ہے[1]۔

---

[1] اس کے لئے اصل واقعہ کی تفصیلات پر غور کرنا مفید ہے، صحیح بخاری میں بھی یہ واقعہ کچھ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس میں ہے:
فَبَعَثَ إِلَيْهِ رَجُلَيْنِ مِنْ قُرَيْشٍ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ: عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ سَمُرَةَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَامِرِ بْنِ كُرَيْزٍ، فَقَالَ: اذْهَبَا إِلَى هَذَا الرَّجُلِ، فَاعْرِضَا عَلَيْهِ، وَقُولاَ لَهُ: وَاطْلُبَا إِلَيْهِ، فَأَتَيَاهُ، فَدَخَلاَ عَلَيْهِ فَتَكَلَّمَا، وَقَالاَ لَهُ: فَطَلَبَا إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهُمَا الحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ: إِنَّا بَنُو عَبْدِ المُطَّلِبِ، قَدْ أَصَبْنَا مِنْ هَذَا المَالِ، وَإِنَّ هَذِهِ الأُمَّةَ قَدْ عَاثَتْ فِي دِمَائِهَا، قَالاَ: فَإِنَّهُ يَعْرِضُ عَلَيْكَ كَذَا وَكَذَا، وَيَطْلُبُ إِلَيْكَ وَيَسْأَلُكَ قَالَ: فَمَنْ لِي بِهَذَا، قَالاَ: نَحْنُ لَكَ بِهِ، فَمَا سَأَلَهُمَا شَيْئًا إِلَّا قَالاَ: نَحْنُ لَكَ بِهِ، فَصَالَحَهُ.(صحيح البخاري،كتاب الصلح،بابقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ،ج۳،ص۱۸٦).

ترجمہ:"حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس قریش کے شاخ بنو عبد شمس کے دو آدمی عبد الرحمن بن سمرۃ اور عامر بن کریز بھیجے آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر انہیں صلح کی پیش کش کروان سے اس موضوع پر گفتگو کرو اور فیصلہ ان کے مرضی پر چھوڑو، چنانچہ وہ دونوں حضرت حسن رضی اللہ کے پاس آکر آپ سے گفتگو کرنے لگے اور فیصلہ آپ کی مرضی پر چھوڑا۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہم بنو عبد المطلب کی اولاد ہیں اور ہم کو خلافت کی وجہ سے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کی عادت ہو گئی ہے اور ہمارے ساتھ یہ لوگ ہے ہیں یہ خون خرابہ میں طاقت ور ہیں (بغیر روپیہ دیئے ماننے والے نہیں) وہ دونوں کہنے لگے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کو اتنا اتنا روپیہ دینے پر راضی ہیں اور آپ سے صلح چاہتے ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: کون اس کی ذمہ

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

ناکارہ عبید الرحمن

دارالافتاء والارشاد، مردان۔

۲۳ محرم ۴۶ھ

یوم استشہاد القائد العظیم الحبیب الشیخ اسماعیل ہنیہ رحمہ اللہ، اللہم اجرنا فی مصیبتنا واخلف لنا خیرا منہ، اللہم کثّر فینا أمثال ہذا الابطال۔۔۔

داری لے گا؟ ان دونوں نے کہا: ہم ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ حضرت حسن نے جس چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ آخر آپ نے صلح کر لی۔